شرط جزائی کا تعارف اور اس کی عصری تطبیقات

(ایک شرعی جائزہ)

خلیل الرحمٰن

ریسرچ اسکالر، شعبۂ علوم اسلامی جامعہ کراچی، کراچی

Abstract

The thesis under consideration introduces the term of surcharge with its historical background to highlight its importance. It has been noted that after the transactions have been made the payer (debtor) often resorts to delaying tactics, therefore, to curb such untoward situations the contracting parties stipulate certain conditions in the contract that in case the debtor delays the payment he/she will have to pay a certain surcharge as a fine. In historical perspective, the term "surcharge" was not used among the jurists of early times but it has been derived from the modern laws.

In the course of research the following important points have also come forth:

As far as imposing surcharge in case of transaction is concerned, the surcharge could only be imposed if the debtor is a rich person and tries to avoid setting off his/her liabilities promptly. In case the debtor is a poor guy neither the surcharge can be imposed nor any monetary considerations be demanded, as the Allah Almighty says in the Holy Quran:If there is one in misery, then (the creditor should allow) deferment till (his) ease. [Al-baqrah: 280]

The article can be divided into three the following important parts:

1.The surcharge that is imposed on the debtor solely because of delay in the payment which is categorically impermissible as it is has been unanimously agreed upon that such terms are nothing but interest.

2.Similarly another such condition has also been put under consideration wherein some contemporary Islamic scholars have tried to find a solution to avoid the delaying tactics in case of transactions based on credit sales. For example, the Islamic banks, while making a contract under the mode of murabaha, stipulate in the agreement that the debtor

shall undertake to pay a certain amount as charity.

3.In addition to the above mentioned modes of transactions, some relevance has also been tried to seek in the contemporary transaction based on credit sales, and with due arguments, it has been proved that such transactions have conditions which are nothing but interest and, therefore, due to such conditions the transactions based on them are void too.

Key Words:Financial matters, contract, surcharge, repayment

شرطِ جزائی کا تعارف اوراس کی اہمیت

مالی معاملات (Financial Matters) میں متعاقدین (Parties to the Contract) کا شرط لگانا، ان معاملات کی بنیادی ضرورت ہے کیونکہ محض عقود کے صیغے استعمال کر کے مطلوبہ معیارات طے کرنا، انکی تفصیلات پر اتفاق ہونا اور نزاعات کی صورت میں واقعی نتائج حاصل کرنا عقلاً بھی ناممکن ہے، لہٰذا عقود کی تفصیلات شرائط کے ذریعے طے کی جاتی ہیں، چاہے انہیں باضابطہ تحریری طور پر طے کیا جائے یا محض زبانی طور پر فریقین کے اتفاق سے طے ہوں یا پھر عرف وعادت کی بناء پر انہیں عقود میں ملحوظ رکھا جائے۔

اس مسئلے کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اب لوگوں میں دیانت اور ایفائے عہد کا معاملہ تمام شرعی اور اخلاقی حدود کو بالائے طاق رکھ کر محض فوائد کے حصول کو اپنی مساعی کا نتیجہ قرار دینے تک پہنچ چکا ہے۔ مارکیٹ میں جھوٹ، وعدہ خلافی، دھوکہ دہی اور فریب کے وہ طریقے وجود میں آ گئے ہیں کہ جن کے برے اثرات صرف ایک تاجر پر نہیں، بلکہ پورے معاشرے پر پڑتے ہیں اور پوری معیشت اپنا توازن کھو کر ہچکولے کھاتی ہوئی ڈھب سے بیٹھ جاتی ہے۔ اس لئے اب عصر حاضر کے مالی معاملات میں اور خصوصا مالیاتی اداروں میں شرائط ناگزیر ہو گئی ہیں۔

اسی طرح ان شرائط میں سے عصر حاضر کے مالی معاملات میں شرطِ جزائی کی اہمیت اوراس کی افادیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، کیونکہ جب اس دور میں معاملات کی نت نئی شکلیں وجود میں آ رہی ہیں اور حال یہ ہے کہ لوگوں میں ایک دوسرے پر اعتماد کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے، ہر ایک تاجر اس خوف میں ہوتا ہے کہ اگر میں شرائط کے بغیر معاملہ طے کروں تو میرا سارا سرمایہ ڈوب کر خسارے کا شکار ہو جائے گا اور خریدار میرے ساتھ دھوکہ دہی اور ٹال مٹول والا معاملہ اختیار کرے گا تو اس پریشانی کے سدِ باب کے لیے معاملات میں شروط لگائی جاتی ہیں تاکہ ان کے ذریعے ہر ایک کا سرمایہ محفوظ رہے اور ایک دوسرے کو ٹال مٹول کا موقع بھی نہ ملے، کیونکہ اگر کوئی ٹال مٹول کرتا ہے تو فوراً اس پر وہ شرط لاگو ہو گی، جو معاملے کے شروع میں سدِ باب کے لیے لگائی گئی تھی، ان میں سے آج کل کے معاملات میں ''شرطِ جزائی'' (جرمانہ) کو کافی اہمیت حاصل ہے اور یہ شرط زیادہ تر دو قسم کے معاملات میں پائی جاتی ہے: ایک ادھار معاملات میں، جن میں اس کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض دوسرے معاملات میں بھی اس کا خیال رکھا جاتا ہے۔ لیکن زیرِ نظر مقالہ میں دیگر معاملات میں شرط کا جائزہ چونکہ ہمارا موضوع بحث نہیں ہے، اس لئے فی الحال ادھار

معاملات (Debit Contract) میں ''شرط جزائی'' کا حکم بیان کیا جاتا ہے۔

شرط جزائی کی تعریف

''شرطِ جزائی'' چونکہ ایک مرکب اضافی ہے، جو شرط اور جزا دونوں کا مجموعہ ہے، اس لئے اس کی تعریف اس پر موقوف ہے کہ پہلے شرط اور جزا دونوں کی الگ الگ تعریفات کی جائیں، پھر اس کے بعد ''شرطِ جزائی'' کی تعریف کی جائے۔

شرط کی تعریف

شرط (Condition) عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے لغوی معنی ہیں ''علامت ونشانی''، ''توثیق''، ''اور الزام والتزام'' لیکن معاملات میں شرط کا آخری معنی یعنی '' الزام والتزام'' زیادہ مشہور ہے، جیسا کہ خرید وفروخت یا دیگر معاملات اور عقود کے اندر متعاقدین کا اپنے اوپر کسی چیز کو لازم کر لینے یا کسی دوسرے شخص پر کوئی چیز لازم اور ضروری قرار دینے کو شرط (Condition) کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ لغت کی مشہور کتاب لسان العرب میں ہے:

" والشرط اِلزام الشئی والتزامه فی البیع ونحوه والجمع شروط" (۱)

''بیع یا اس جیسے معاملے میں اپنے اوپر یا کسی دوسرے پر کسی چیز کو لازم کر لینے کو شرط کہتے ہیں۔ اس کی جمع شروط آتی ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ معاملات میں شرط بمعنی ''الزام والتزام'' استعمال ہوتی ہے، جس سے متعاقدین کے ذمےّ خرید و فروخت یا دیگر معاملات کے اندر ''الزام یا التزام'' ہو جاتا ہے۔ چنانچہ عاقد اپنے اوپر کسی چیز کو لازم یا دوسرے پر کوئی چیز لازم اور ضروری قرار دیتا ہے۔

شرط کی اصطلاحی تعریف

اصطلاح میں ''شرط'' ایک ایسی چیز کا نام ہے، جس کے عدمِ وجود سے مشروط (Condition) کا عدمِ وجود لازم آتا ہے، لیکن اس کے وجود سے مشروط کا وجود یا عدمِ وجود لازم نہیں آتا یعنی جس کے نہ ہونے سے مشروط (حکم) بھی موجود نہیں ہوتا اور اس کی موجودگی سے حکم کا ہونا اور نہ ہونا لازمی ہے۔ جیسا کہ زکوٰۃ کے وجوب کے لیے حولانِ حول (سال کا گزرنا) شرط ہے اور زکوٰۃ کا وجوب مشروط ہے، مثلاً ایک شخص صاحبِ نصاب ہے، لیکن اس کے مال پر سال نہیں گزرا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں، کیونکہ یہاں شرط (حولانِ حول) موجود نہیں ہے تو اس (شرط) کے انتفاء سے وجوبِ زکوٰۃ (مشروط) کا انتفاء لازم آتا ہے، لیکن شرط کے وجود سے مشروط کا وجود یا عدم وجود لازم نہیں۔ جیسا کہ بعض دفعہ مال پر سال گزر بھی جاتا ہے لیکن مذکورہ شخص مقروض ہوتا ہے، جس کی وجہ سے وجوبِ زکوٰۃ (مشروط) منتفی ہو جاتا ہے۔

شرط کی تعریف کے بارے میں علامہ بدرانؒ اپنی کتاب ''المدخل'' میں لکھتے ہیں:

"مایلزم من عدمه العدم ولا یلزم من وجوده وجود ولا عدم لذاته وذلک....

کالحول الذی هو شرط وجوب الزکٰوة ینتفی وجوبها لانتفا ئه فلا تجب اِلا عند

تمام الحول" (۲)

"شرط وہ ہے، جس کے نہ پائے جانے سے مشروط کا نہ پایا جانا لازم آتا ہے، اور اس کے وجود سے مشروط کا وجود یا عدم وجود لازم نہیں آتا، جیسا کہ "حولانِ حول" وجوبِ زکوٰۃ کے لیے شرط ہے تو اس کے انتفاء سے وجوبِ زکوٰۃ کا انتفاء لازم آتا ہے۔ پس یہ سال کے گزرنے پر واجب ہوگی۔"

جزا کی لغوی تعریف

جزا (Repayment) عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے کئی معانی آتے ہیں: مثلاً کسی چیز کا "عوض" اور "بدلہ دینا" اور اسی طرح کسی دوسری چیز کو "قائم مقام" بنانے کو "جزا" کہتے ہیں پھر یہ جزا یعنی بدلہ دینا یا کسی چیز کا عوض مقرر کرنا عام ہے خواہ وہ بطورِ انعام ہو یا بطورِ "سزا" جس پر ثواب اور عقاب دونوں مرتب ہوتے ہیں یا اس کے معنی "مکافات علی العمل" کے ہیں یعنی کسی عمل کے مطابق بدلہ دینے اور اس پر اکتفا کرنے کو جزا کہتے ہیں، جیسا کہ اگر کوئی خیر کا کام ہو تو اس کا بدلہ بھی خیر کا ملے گا لیکن اگر کوئی کام شر کا ہو تو اس کا بدلہ بھی شر کا ملے گا۔ چنانچہ اس کے بارے میں "لسان العرب" میں ہے:

(جزی) الجزاء المكافاته على الشئی جزاه به وعليه جزاء وجازاه مجازاة وجزاء.... الجزاء يكون ثواباً ويكون عقاباً. (۳)

اسی طرح "معجم مقاییس اللغۃ" میں ہے:

(جزی) الجيم والزاء والياء : قيام الشئی مقام غيره ومكافاته اياه . يقال جزيت فلانا أجز به جزاء. وجازيته مجازاة، وهذا رجل جازيک من رجل ، أی حسبک . ومعناه أنه ينوب مناب كل أحد، كما تقول كافيک و ناهيک. (۴)

اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ "جزا" کے معنی لغت میں عام ہیں، خواہ وہ "عوض" اور "بدلہ" کسی "ثواب یا عقاب" کی صورت میں ہو یا کسی اور صورت میں۔

جزا کی اصطلاحی تعریف

اصطلاح میں "جزا" ایک عام عوض اور سزا کو کہتے ہیں، چاہے مادی ہو یا معنوی، اور یہاں پر اس سے وہ مالی معاوضہ اور جرمانہ (Penalty) اور مالی معاوضہ مراد ہے، جو کسی انسان کے ذمے میں اس وقت لازم ہوتا ہے، جب وہ معاملات کے اندر طے شدہ شرائط میں غفلت سے کام لے یا ان کے اہتمام اور نفاذ کا خیال نہ کرے۔ جیسا کہ "الدکتور محمد الزحیلی" نے جزا کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے:

هو العقوبه سواء كان مادية أو معنوية والمراد منها هنا العقوبة المالية عند الاخلال بالشرط أو مخالفته أو عدم تنفيذه. (۵)

"یہ ایک سزا ہے، چاہے مادی ہو یا معنوی اور یہاں پر اس سے وہ مالی جرمانہ مراد ہے جو طے شدہ شرط میں

خلل واقع کرنے کی صورت میں یا اس کی مخالفت اور عمل پیرا نہ ہونے کے وقت ذمہ میں لازم ہوتا ہے۔''

شرطِ جزائی کا تاریخی پس منظر

''شرطِ جزائی''(Penalty CLauses)عصرِ حاضر کے مالی معاملات میں ایک جدید اور قانونی اصطلاح ہے۔ قدیم فقہاء کی کتابوں میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ البتہ اس کی صورت مغربی قوانین میں موجود اور معروف تھی، جیسا کہ فرانسیسی قانون میں اسے(Clause Penal)اور انگریزی قانون میں(Penalty and liquidated damages)کہا جاتا ہے اور عربی قوانین میں سب سے پہلے مصری قانون نے اس صورت کو اخذ کیا اور بعد میں دیگر عربی قوانین میں بھی یہ صورت اور اصطلاح مشہور ہوئی اور انہوں نے بھی اپنے قانون میں اس کو شامل کیا۔(٦) اب عصرِ حاضر کے علماء بھی اس سے بحث کرتے ہیں، کیونکہ مالی معاملات پر لکھی گئی جدید کتابوں میں بعض حضرات شرطِ جزائی کے حوالے سے بھی گفتگو کرتے ہیں۔ ''شرط جزائی'' اردو زبان میں ایک مرکبِ اضافی ہے جس کے معنی ہیں ''جرمانہ کی شرط'' یعنی وہ شرط جو متعاقدین کسی معاملے کے دوران طے کریں کہ اگر طے شدہ معاہدے پر کسی نے عمل نہ کیا تو اس کی وجہ سے اس کے عوض یا جرمانے کے طور پر کوئی مقررہ بدلہ لیا جائے گا اور یہ چونکہ قانون کی ایک اصطلاح ہے۔ اس لیے اس کی تعریف پہلے قانون کی کتابوں سے ذکر کی جاتی ہے۔

قانونِ وضعی(Law)میں شرطِ جزائی کی تعریف

اس کی تعریف مصر کے ماہر قانون ''علامہ السنہوری'' نے یہ کی ہے:

أنـه اتـفـاق بين متعاقدين على مقدار التعويض الذى يستحقه الدائن اذا لم يقم المدين بـالتـزامـه وهذا هو التعويض عن عدم التنفيذ، أو على مقدار التعويض الذى يستحقه الدائن اذا تأخر المدين فى تنفيذ التزامه وهذا هو التعويض عن التأخير .(٧)

''متعاقدین کا جرمانہ کی اس مقدار پر اتفاق کرنا جس کا دائن (اس وقت) مستحق ہوتا ہے، جب مدیون دین کی ادائیگی کا اہتمام نہ کرے اور یہ جرمانہ اس چیز (شرط) کے عوض ہے جس کا مدیون لحاظ نہ رکھے یا دائن اس مقدار کا مستحق ہوتا ہے، جب مدیون دَین ادا کرنے میں تاخیر کرے تو پھر یہ جرمانہ تاخیر ہی کے عوض ہوگا۔''

ذکی الدین شعبان نے یہ تعریف کی ہے:

اتـفـاق الـمـتـعـاقـديـن ، مقدما على مقدار التعويض الذى يستحقه الدائن ، اذا لم يقم المدين بتنفيذ التزامه. (٨)

''متعاقدین کا پہلے سے کسی ایسے معین عوض کی مقدار پر اتفاق کر لینا جس کا دائن مستحق ہوتا ہے، جب مدیون کسی عائد کردہ شرط کو پورا نہ کرے، یا اس میں تاخیر کرے۔''

اسی طرح پاکستان کے آئین (Constitution of Pakistan)1872ء کے کنٹرکٹ ایکٹ دفعہ (74)

میں ہے:

Compensation for breach of contract where penalty for:

When a contract has been broken, if a sum is named an the contract as the amount to be paid in case of such breach, or if the contract contains any other stipulation by way of penalty, the party complaining of the breach entitled, whether or not actual damages or loss is proved to have been caused thereby, to receive from the party who has broken the contract reasonable compensation not exceeding the amount so named or as the case may be, the penalty stipulated for.(۹)

''ٹھیکہ داری میں عہد شکنی کی صورت میں تاوان وصول کرنا۔ اگر کسی ٹھیکے کو ختم کر دیا جاتا ہے تو اگر اس ٹھیکہ داری میں کچھ پیسے اس نام سے مختص ہو کہ یہ پیسے عہد شکنی کی صورت میں واجب الاداء ہوں گے۔ یا ٹھیکے میں مالی تعاون کے حوالے سے کوئی شرط موجود ہو تو چاہے شکایت کرنے والی پارٹی نقصان یا خرابی کا ثبوت پیش کرے یا نہیں، دونوں صورتوں میں وہ رقم واجب الاداء ہوگی یہ رقم شکایت کرنے والی پارٹی عہد شکنی کرنے والی پارٹی سے وصول کرے گی اور یہ رقم ٹھیکے میں مختص رقم سے زائد نہیں ہونی چاہیے۔''

شرط جزائی (Penalty Clauses) کی تعریف معاصر فقہاء کی نظر میں

معاصر علماء نے شرط جزائی کی تعریف مختلف عبارات اور قیودات کے ساتھ کی ہے، جن میں سے چند کی تعریف ذیل میں لکھی جاتی ہے: ڈاکٹر محمد صدیق الضریر شرط جزائی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الشرط الجزائی هو اتفاق بین المتعاقدین علی تقدیر التعویض الذی یستحقه من شرط له، عن الضرر الذی یلحقه، اذالم ینفذ الطرف الآخر ماالتزم به، أوتأخر فی تنفیذه. (۱۰)

''شرطِ جزائی سے مراد فریقین کا کسی معاملے میں عوض کی اُس مقدار پر اتفاق کر لینا ہے کہ جس کا شرط لگانے والا مستحق ہوتا ہے اس ضرر کے بدلے جو اس کو لاحق ہو، جب فریقِ ثانی عائد کردہ شرط کو پورا نہ کرے یا اس میں تاخیر کرے۔''

الرویشد نے شرطِ جزائی کی یہ تعریف کی ہے:

اتفاق تابع یحدد بموجبه الطرفان مسبقاً التعویض أو العقوبة عند عدم التنفیذ أولتاخر فیه. (۱۱)

''شرطِ جزائی ایک ایسے ضمنی اتفاق کا نام ہے، جس کے سبب فریقین کسی معاملے میں پہلے ہی سے کوئی عوض اور بدل یا سزا مقرر کر لیتے ہوں، جب کوئی فریق طے شدہ شرط کو پورا نہ کرے یا اس میں تاخیر

کرے۔"

محمد بن عبدالعزیز بن سعد الیمنی نے یہ تعریف کی ہے:

التزام زائد، یتفق بموجبه المتعاقدان علی تعیین التعویض الشرعی الذی یستحق عندالاخلال الاختیاری المضر بالمشترط (۱۲)

"کسی ایسی زائد چیز کا التزام کرنا جس کے ذریعے فریقین اُس شرعی عوض کو متعین کر لینے پر متفق ہوں اور شرط لگانے والا تب مستحق ہوگا جب فریقِ ثانی اس میں اپنے اختیار سے کوئی ایسی کوتاہی کرے جو شرط لگانے والے کے حق میں مضر ہو۔"

قانون اور فقہ کی روشنی میں شرطِ جزائی میں فرق

قانون اور فقہ کی روشنی میں شرطِ جزائی کی تعریفات ہو چکی ہیں، لیکن ان میں بنیادی فرق یہ ہے کہ قانون میں شرطِ جزائی عام ہے جو تمام معاملات خواہ وہ ادھار معاملات ہوں یا معاملات معاوضہ یا کوئی اور معاملہ ہو، ہر ایک میں لگانا درست ہے۔ تاہم فقہاء کے نزدیک ادھار معاملات میں شرطِ جزائی درست نہیں، بلکہ فقہاء کے نزدیک بعض عقود مثلاً استصناع اور مقاولات وغیرہ میں یہ شرط جائز ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تمام عقود خواہ وہ مدانیات ہی کیوں نہ ہوں ان میں بھی جائز ہے، جیسا کہ "فقہ البیوع" کے حاشیہ میں بھی اس بات کی وضاحت آئی ہے۔ چنانچہ "مفتی تقی عثمانی" تحریر فرماتے ہیں:

فظهر بهذا أن الشرط الجزائی له مفهوم عام یشمل کثیرامن العقود ، حتیٰ أنه یجوز فی القانون الوضعی اشتراط الشرط الجزائی فی المداینات ، وهومحرم شرعاً لتضمنه الربا، ولذلک اجازة الشرط الجزائی فی بعض العقود مثل الاستصناع والمقاولات لاتستلزم أن یباح الشرط الجزائی فی جمیع العقود. (۱۳)

"پس اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شرطِ جزائی ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے، جو بہت سے عقود اور معاملات کو شامل ہے، یہاں تک کہ آئینی قانون میں تو مداینات کے اندر بھی شرطِ جزائی کی شرط لگانا درست ہے، جب کہ شرعاً یہ حرام ہے کیونکہ اس میں ربا (سود) پایا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ استصناع اور مقاولات جیسے بعض معاملات میں شرط جزائی کی اجازت دینے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ تمام عقود میں اس کو جائز قرار دے دیا جائے۔"

شرطِ جزائی کا ثبوت فقہ اسلامی میں

معاصر فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ "شرط جزائی" ایک نئی اصطلاح ہے۔ ذخیرہ فقہ میں اس اصطلاح کا استعمال اس نام سے قدیم فقہاء کے نزدیک نہیں ہوا۔ البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ اس نام کے علاوہ اس کی کچھ صورتیں یا اس کے مشابہ کوئی صورت قدیم فقہاء کے ہاں رائج تھی یا نہیں؟ (۱۴)

اس بارے میں دوقول ہیں:

...... پہلا قول یہ ہے کہ یہ ایک جدید اصطلاح ہے اوراس کی تمام صورتیں جدید ہیں۔اس کی کوئی صورت بھی اس سے پہلے نہ رائج تھی اور نہ اس جیسی کوئی اوراس مشابہ کی صورت موجود تھی۔

......دوسرا قول یہ ہے کہ قدیم فقہاء کے نزدیک اس نام سے اوراس کی تمام صورتیں اگرچہ موجود نہیں تھیں۔البتہ اس کے مشابہ بعض صورتیں موجود تھیں، جیسا کہ قاضی شریح ؒ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جوشخص خوشی سے بغیر کسی جبر کے اپنے اوپر کوئی شرط عائد کردے تو وہ اس پر لازم ہوجائے گی۔

چنانچہ روایت میں ہے:

وقال ابن عون عن ابن سيرين قال رجل لكريه ارحل ركابك فإن لم أرحل معك يوم كذا وكذا فلك مائة درهم فلم يخرج فقال شريح من شرط على نفسه طائعاً غيرمكره فهو عليه. (۱۵)

''ابن عون، ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے کرایہ دار سے کہا کہ تم اپنی سواری کسو، اگر میں فلاں فلاں دن تمہارے ہمراہ نہ چلوں تو تمہیں سودرہم دوں گا، پھر وہ اس دن نہیں گیا، شریح نے کہا کہ جوشخص خوشی سے بغیر کسی جبر کے اپنے اوپر کوئی شرط عائد کرے تو وہ اس پر لازم ہوجائے گی۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی سواری والے سے کہا جائے کہ مجھے فلاں (متعین) دن سفر پہ جانا ہے، تم میرے لیے سواری تیار کر کے رکھو اور وہ یہ کہہ دے کہ مجھے کیا معلوم کہ آپ جائیں گے یا نہیں؟ ویسے ہی میں تیاری کروں، اس پر محنت کروں اور آپ پھر نہ جائیں، تو وہ (اپنی مرضی سے) کہتا ہے کہ اگر میں نہ گیا تو تمہیں سودرہم دوں گا۔جب بعد میں وہ نہیں جاتا تو اس سے وہ سودرہم جو اس نے اپنے اوپر لازم کر کیے تھے وصول کیے جائیں گے۔یہی بات مذکورہ بالا روایت میں قاضی شریح نے کہی ہے، جس پر انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ جس شخص نے اپنے ذمے خوشی سے کوئی رقم واجب کرلی، اسے اس التزام پر کسی نے مجبور نہیں کیا تھا تو وہ اس کے ذمہ لازم ہوگئی۔اسی وجہ سے بعض معاصر فقہاء نے یہ قول اختیار کیا ہے کہ ''شرطِ جزائی'' (Penalty Clause) کی اصطلاح اگرچہ قدیم فقہاء کے ہاں رائج نہیں تھی، لیکن اس کے مشابہ صورت جو بیع العربون (بیعانہ) کی شکل میں ہے، موجود تھی، لہذا یہ ''شرطِ جزائی'' بھی عربون کے مشابہ ایک صورت ہے۔چنانچہ کہ اس بارے میں ''الشیخ مصطفیٰ الزرقاء'' لکھتے ہیں:

وهذ النوع من الاشتراط المروى عن القاضى شريح فى ضمان التعويض عن التعطل والانتظار مايسمىٰ فى الفقه الأجنبى الحديث: الشرط الجزائى (۱۶)

''شرط کی یہ قسم جو قاضی شریح سے تعطل اور انتظار کے بدلے کے ضمان میں مروی ہے، وہی ہے، جسے جدید قانون میں ''شرط جزائی'' کہا جاتا ہے۔''

جن حضرات نے ''شرطِ جزائی'' کو عربون کے مشابہ تسلیم کیا ہے۔وہ درج ذیل وجہ کی بناء پر اس کی مشابہت کے قائل

ہیں۔

''شرطِ جزائی''اور عربون میں سے ہر ایک کچھ مخصوص عوض مقرر کرنے کا نام ہے۔ چنانچہ ''شرطِ جزائی'' نام ہے اس عوض کا جو عقد میں خلل واقع کرنے کی صورت میں دینا پڑتا ہے اور عربون نام ہے اس عوض کا جو عقد سے اعراض کی صورت میں دینا پڑتا ہے۔ البتہ ان کے درمیان جو فروق ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں میں کوئی مشابہت نہیں ہے۔ وہ فروق درج ذیل ہیں:

☆ بیعانہ اس حق کے مقابلہ میں آتا ہے جب خریدار عقد سے رجوع کرے، یعنی خریدار کا عقد سے رجوع کرنے کے مقابلے میں عربون (بیعانہ) آتا ہے اور شرطِ جزائی اس ضرر کے بدلے میں مقرر کی جاتی ہے، جو مدیون کا عدمِ اہتمام کی وجہ سے دائن کو لاحق ہوتا ہے۔

☆ عربون خریدار کا عقد سے رجوع کرنے کے وقت لازم ہوتا ہے، اگرچہ رجوع کرنے سے کوئی ضرر نہ پایا جائے، کیونکہ وہ رجوع کرنے کے بدلے میں آتا ہے، جبکہ شرطِ جزائی کا استحقاق اس وقت ہوتا ہے جب دائن کو ضرر پہنچ جائے۔ اس لیے کہ یہ عوض ضرر کے مقابلے میں آتا ہے۔

☆ قاضی کی طرف سے عربون میں کمی بیشی جائز نہیں، جبکہ شرطِ جزائی میں کمی بیشی جائز ہے۔

☆ بیع عربون میں عقد نافذ کرنے اور اس کو ترک کرنے کا خریدار کو اختیار حاصل ہوتا ہے، جبکہ جس عقد میں شرطِ جزائی لگائی جائے، اس میں مدیون کو اختیار حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس پر طے شدہ معاہدہ کا نفاذ لازم ہوتا ہے جب تک ممکن ہو۔ (۱۷)

ترجیح

درج بالا فروق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے احقر کی رائے یہ ہے کہ ''شرطِ جزائی'' ایک جدید شرط ہے، جو عصرِ حاضر کے مالی معاملات میں نزاع اور ضرر کے سدِ باب کے لیے لگائی جاتی ہے اور اس کی کوئی صورت یا اس کے مشابہ کوئی صورت قدیم فقہ میں موجود نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

دُیون میں شرطِ جزائی کا حکم اور اس کی عصری تطبیقات (Conforming) اور اثرات

نوٹ: اگر مدیون غریب اور مجبور ہے تو اس کے حق میں بالاتفاق کوئی شرط قابل قبول نہیں، کیونکہ اس کے بارے میں قرآنِ مجید کا فیصلہ ہے کہ اس کی تنگدستی دور ہونے تک دائن انتظار کرے گا، جب وہ مالدار ہو جائے تو اس کے بعد اس سے مطالبہ کیا جائے گا۔

چنانچہ قرآنِ مجید میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَاِن كَانَ ذُو عُسرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلی مَیسرَةٍ (۱۸)

''اور اگر کوئی تنگدست (قرض دار) ہو تو اس کا ہاتھ کھلنے تک مہلت دینی ہے۔''

ادھار معاملات (Credit Contract) میں ٹال مٹول کرنے والے مالدار مدیون کے بارے میں جو شرط لگائی جاتی ہے، اس کے بارے میں ذیل میں قدرے تفصیلی جائزہ لیا جاتا ہے:

شرطِ جزائی کی صورت اوراس کا شرعی حکم

اس سے مراد وہ شرط ہے جس میں متعاقدین متفقہ طور پر پہلے سے ہی کسی دین کی ادائیگی (Payment) میں مقررہ مدت میں تاخیر (Delay) کرنے پر اضافی مال واجب کرنے کی شرط لگادیں مثلاً کسی فروخت کنندہ (Seller) نے کوئی گاڑی ادھار بیچی اور دورانِ عقداس نے یہ شرط لگائی کہ اگر خریدار (Buyer) نے مقررہ مدت میں رقم ادا کرنے میں تاخیر کی تو وہ جرمانے کے طور پر ہر مہینے کی تاخیر کے عوض دس ہزار روپے اضافی دے گا یا ہر مہینے کی تاخیر پر کل رقم کے پانچ فیصد اضافی رقم دے گا یا تاخیر کے عوض مقررہ رقم اضافی طور پر ادا کرے گا مثلاً لاکھ یا دو لاکھ وغیرہ، خواہ یہ شرط کسی بھی ادھار معاملہ مثلاً بیع المؤجل کے ثمن میں یا عقدِ استصناع کے ثمن مؤجل میں لگائی جائے، بس صرف اس میں کسی کے ذمے دَین آرہا ہو جس میں وہ تاخیر کر رہا ہو، چاہے یہ شرط کوئی بینک لگادے یا کوئی کمپنی یا کسی عاقد کی طرف سے لگائی جائے۔ اب اس کا کیا حکم ہے اور معاملاتِ مداینات پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے؟

حکم

مذکورہ سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ شرط متفقہ طور پر فاسد اور باطل ہے جس کی وجہ سے معاملہ بھی فاسد اور باطل ہو جاتا ہے، جس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، کیونکہ یہ شرط صریح ربا اور سود (Interest) پر مشتمل ہے اور سود (ربا) چونکہ قرآن وحدیث اور اجماعِ امت کی نظر میں حرام اور ناجائز ہے۔ معلوم ہوا کہ جو شرط سود پر مشتمل ہو، وہ ناجائز ہے، جس کی وجہ سے معاملہ بھی فاسد (ناجائز) ہوجاتا ہے۔

اسی طرح دُیون میں ''شرطِ جزائی'' کے بارے میں مذاہبِ اربعہ کے فقہائے کرام نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ یہ شرط چونکہ بلاعوض ایک مشروط زیادتی پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس لیے یہ صریح ربا یا شبہ ربا ہونے کی بناء پر فاسد اور باطل ہے، جس کی وجہ سے معاملہ بھی فاسد ہوجاتا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں علامہ حطاب المالکی تحریر فرماتے ہیں:

> **اِذا اِلتزم المدعی علیه ، (المدین)، للمدعی أ نه اِن لم یوفه حقه فی وقت کذا فله علیه کذا و کذا، فهذا لایختلف فی بطلانه ، لأنه صریح الربا، و سواء کان الشئ الملتزم به من جنس الدین أو غیره و سواء کان شیئاً معیناً أو منفعة وقد رأیت مستنداً بهذه الصفة و حکم به، بعض قضاة المالکیة الفضلاء بموجب الالتزام و ما أظن ذلک اِلا غفلة منه .(۱۹)**
>
> ''جب مدعی علیہ (قرض دار) اپنے اوپر مدعی (قرض خواہ) کے لیے یہ بات لازم کرلے کہ اگر اس (مدعی علیہ) نے فلاں وقت تک اس کا حق پورا کرکے ادا نہیں کیا تو اس کے ذمے مزید اتنا اضافہ ہوگا تو اس (شرط) کے باطل اور فاسد ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ یہ صریح ربا اور سود پر مشتمل ہے، خواہ وہ مشروط شئ دین کی جنس میں سے ہو یا نہ ہو، چاہے وہ شئ معین ہو یا اس میں کوئی منفعت ہو۔ (علامہ حطاب فرماتے ہیں کہ) میں نے بعض مالکی قاضیوں کو دیکھا ہے کہ وہ اس کے التزام کے قائل تھے اور میں

سمجھتا ہوں کہ یہ صرف ان کی غفلت کی وجہ سے ہے۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شرط دُیون میں تاخیر کرنے پر بغیر کسی عوض کے مشرط زیادتی پر مشتمل ہو یا اس کے عوض میں مدت ہو۔اسے ربا کی وجہ سے فاسد قرار دیا جائے گا، کیونکہ دَین میں تاخیر کرنے پر یا اس میں مزید مہلت دینے پر اضافی مال مشرط قرار دیا جاتا ہے، جس پر علماء نے اجماع نقل کیا ہے کہ یہ شرط اس ربا (سود) کو شامل ہے جس کی حرمت قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے۔چنانچہ اس بارے میں "علامہ ابن عبدالبرؒ" رقمطراز ہیں:

و أجمع العلماء من السلف و الخلف أن الربا الذی نزل القرآن بتحریمه هو أن یأخذ صاحب الدین لتأخیر دینه بعدحلوله عوضاً عیناًأو عرضاً وهو معنی قول العرب اِما أن تقضی و ما أن تربی؟(۲۰)

"متقدمین اور متاخرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن مجید میں جس ربا کو حرام قرار دیا گیا ہے، اس سے مراد یہ ہے جو دین کی میعاد پوری ہونے کے بعد تاخیر کی وجہ سے بطورِ عوض دائن وصول کر لیتا ہے خواہ وہ عین ہو یا کوئی سامان ہو اور یہی معنی ہے عربوں کے اس قول کا "کہ یا تو آپ دین ادا کر دو یا اس میں زیادتی کرو۔"

اسی طرح "علامہ نوویؒ" لکھتے ہیں:

یحرم کل قرض جر منفعة کشرط رد الصحیح عن المکسر أو الردیء و کشرط رده ببلد آخر فان شرط زیادة فی القدر حرم اِن کان المال ربویا و کذا اِن کا غیر ربوی علی الصحیح.... فان جری القرض بشرط من هذه فسد القرض علی الصحیح فلایجوز التصرف فیه ."(۲۱)

"ہر وہ قرض جو منفعت کو کھینچ کر لائے۔ وہ حرام ہوتا ہے، جیسا کہ ردی اور مکسور چیز کے عوض میں درست چیز کو واپس کرنے کی شرط لگانا اسی طرح کسی دوسرے شہر میں سپرد کرنے کی شرط لگانا، پس اگر قدر میں زیادتی کی شرط لگا دی گئی تو صحیح قول کے مطابق تو اس کو حرام قرار دیا جائے گا، خواہ مال ربوی ہو یا نہ ہو...اگر کسی نے مذکورہ شرط (زیادتی) کے ساتھ قرض کسی کو دے دیا، صحیح قول کے مطابق وہ قرض فاسد ہوگا اور اس میں تصرف جائز نہیں ہوگا۔"

اسی طرح "علامہ الکاسانیؒ" تحریر فرماتے ہیں:

و أما الذی یرجع الی نفس القرض فهو أن لایکون فیه جر منفعة فان کان لم یجز... ولأن الزیادة المشروطة تشبه الربا لأنها فضل لایقابله عوض و التحرز عن حقیقة الربا و عن شبهة الربا و احب هذاِ ذا کانت الزیادة مشروطة فی القرض.(۲۲)

''اور وہ شرط جس کا تعلق قرض (دَین) سے ہے وہ یہ ہے کہ اُس میں کسی منفعت کا حصول نہ ہو، اگر اس میں کسی نفع کی شرط لگائی جائے تو یہ جائز نہیں۔۔۔اور اس لیے کہ یہ مشروط زیادتی ربا کے مشابہ ہے، کیونکہ یہ زیادتی بغیر کسی عوض کے ہے، ربا چاہے حقیقی ہو یا شبہ ربا ہو۔ دونوں سے بچنا ضروری ہے اور یہ (ربا) تب لازم ہوگا جب قرض میں یہ زیادتی مشروط ہو۔''

اسی طرح ''المبتدع'' میں ہے:

''کل قرض شرط فیه زیادة فهو حرام اِجماعاً''(۲۳)

''ہر وہ قرض جس میں زیادتی مشروط ہو۔وہ بالا جماع حرام ہے۔''

مذکورہ فقہائے کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ دُیون میں تاخیر کرنے پر اضافی مال کی شرط لگانا چونکہ ربا اور سود پر مشتمل ہے۔اس لیے یہ شرط باطل اور فاسد ہے، جس کا عقد تقاضہ بھی نہیں کرتا، اور مذکورہ شرط کے فساد میں کسی کا کوئی اختلاف بھی نہیں۔کیونکہ یہ ''شرطِ جزائی'' اس زیادتی پر مشتمل ہوتی ہے جو مدیون دین میں تاخیر کی وجہ سے بطورِعوض ادا کرتا ہے اور یہ زیادتی چونکہ اصل عقد میں مشروط ہوتی ہے جس کے مقابلے میں کوئی عوض نہیں ہوتا اور مشروط زیادتی بغیر عوض کے چونکہ ربا ہے، اس وجہ سے فقہائے کرام نے اس شرطِ جزائی کو فاسد قرار دیا ہے۔(۲۴)

اسی طرح مذکورہ شرط کے بارے میں مجلس المجمع الفقہی میں اتفاق ہوا ہے کہ یہ شرط فاسد اور باطل ہے، کیونکہ یہ ربا اور سود پر مشتمل ہے۔چنانچہ مجلۃ المجمع الفقہ الاسلامی کی قرارداد میں ہے:

''ان الدائن اذاشرط علی المدین ،أو فرض علیه،أان یدفع له مبلغاًمن المال غرامة مالیة جزائیة محددة أو نسبة معینة اذا تأخر عن السداد فی الموعد المحدد بینهما، فهو شرط،أو فرض باطل ولایجب الوفاء به بل ولایحل سواء کان الشارط هو المصرف أو غیره لأن هذا بعینه هو ربا الجاهلیة الذی نزل القرآن بتحریمه.''(۲۵)

''جب دائن مدیون پر یہ شرط لگالے یا اس پر یہ بات لازم کردے کہ وہ دائن کو اپنی مقررہ مدت میں دَین ادا کرنے میں تاخیر کی وجہ سے مالی جرمانہ کے طور پر کوئی مال دے گا یا کوئی مخصوص نسبت مقرر کرکے جرمانہ دے گا تو یہ شرط باطل ہے، جس کی پاسداری ضروری نہیں بلکہ یہ جائز بھی نہیں، چاہے شرط لگانے والا کوئی بینک ہو یا کوئی اور ہو اور یہ بعینہ وہی ربا ہے جو زمانہ جاہلیت میں تھا جس کو قرآن مجید میں حرام قرار دیا ہے۔''

مذکورہ مباحث سے یہ واضح ہوا کہ '' شرطِ جزائی'' جو دَین میں تاخیر کی وجہ سے بطورِعوض مالی یعنی مالی جرمانہ کے طور پر لاگو کی جاتی ہے اور اس کا عام رواج مارکیٹ، مروجہ سودی بینکوں اور کمپنیوں میں ہوتا ہے، چونکہ یہ ایسے سود پر مشتمل ہے جو نصوص قطعیہ او اجماع اُمت سے ناجائز اور حرام ہے۔اس لیے ہر وہ ''شرطِ جزائی'' جو دُیون میں اضافی مال کی متقاضی ہو وہ فاسد اور باطل ہے۔

اور معاملہ کو بھی فاسد کر دیتی ہے۔

شرط جزائی کی عصری تطبیقات اور اثرات

بیع المؤجل (Differerd Sale) میں شرطِ جزائی کی صورت اور اس کا حکم

شرط جزائی کی صورت

بیع المؤجل میں ''شرطِ جزائی'' کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے دس لاکھ روپے کی ایک گاڑی کو فروخت کر کے خریدار کے حوالے کیا۔اس نے ثمن کی ادائیگی کے لیے تین مہینے کا وقت مقرر کیا اور خریدار کے ساتھ معاملہ کرتے وقت یہ شرط بھی لگا دی کہ اگر مقررہ وقت پر آپ نے ثمن ادا نہیں کیا تو بطورِ جرمانہ اتنے روپے اضافی دینے پڑیں گے۔تو اب بیع المؤجل میں اس طرح شرط لگانے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

حکم

شریعتِ مطہرہ میں یہ شرط یا اس جیسی دیگر شرائط ناجائز اور حرام ہیں، کیونکہ یہ شرط صریح ربا پر مشتمل ہے۔اس لیے کہ دَین میں تاخیر کی بنیاد پر اضافی روپے دینے کی شرط لگانے کا حکم اس سے پہلے بیان ہوا ہے اور اس میں دلائل سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ یہ شرط سود پر مشتمل ہے۔اس لیے ناجائز اور حرام ہے۔لہذا یہ شرط جس معاملے کے اندر پائی جائے تو اس معاملے کو بھی فاسد بنا دیتی ہے۔جیسا کہ اس بارے میں المعاملات المالیۃ میں ہے:

لایجوز الشرط الجزائی فی العقود التی یکون الالتزام الأصلی فیها دینا، فإذا اتفق الدائن مع المدین علی تعویضه مبلغا معینا عن کل یوم تأخیر فإن هذا الشرط لایجوز شرعاً باتفاق الفقهاء لانه صریح الربا. (۲۶)

''ادھار معاملات میں شرطِ جزائی جائز نہیں، لہذا دائن اور مدیون کا ہر دن کی تاخیر کے بدلے کوئی معین عوض دینے پر اتفاق کر لینا بالاتفاق جائز نہیں، کیونکہ یہ صریح ربا ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ بیع المؤجل میں تاخیر کی بناء پر اضافی مال کی شرط لگانا ناجائز ہے جو کہ صریح ربا پر مشتمل ہے۔

بیع التقسیط میں شرط جزائی کی صورتیں اور ان کا حکم

بیع التقسیط میں چونکہ دَین قسط وار ادا کرنا ہوتا ہے۔اس لیے اس میں متعاقدین بہت ساری شرائط بھی لگا لیتے ہیں تاکہ بعد میں اس معاملہ میں کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے، اور ان شرائط کے ساتھ معاملہ کرنے کی مختلف صورتوں کا ذیل میں حکم بیان کیا جاتا ہے:

☆ **پہلی صورت: قسطوں (Instalments) میں تاخیر کرنے پر زیادتی کی شرط لگانا**

بینک وغیرہ نے ایک بڑی مشین کسی کمپنی کو قسطوں پر فروخت کی اور اس معاملہ میں یہ شرط لگا دی کہ اگر کمپنی (خریدار) نے مقررہ مدت تک قسط ادا نہیں کی تو وہ قسط میں تاخیر (Delay) کی وجہ سے اضافی رقم ادا کرے گی، تو کیا یہ شرط شرعی اعتبار سے درست

ہے یا نہیں؟اوراس کا مذکورہ معاملہ پر کیا اثر مرتب ہوگا؟

حکم

قسطوں (Instalments) کا معاملہ چونکہ حقیقت میں دَین کا معاملہ ہےاوراس کے بارے میں پہلے بھی یہ بات تفصیل سے گذر گئی ہے کہ دَین میں اضافی مال کی شرط لگانے میں صریح ربااور سود ہے۔اس لیے یہ شرط لگانا درست نہیں اور جس عقد میں یہ شرط پائی جائے شرط سمیت وہ عقد فاسد اور باطل ہوتا ہے۔چنانچہ اس بارے میں مجمع الفقہ الاسلامی جدہ (۱۴۲۱ھ بمطابق ۲۰۰۰ء) میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی ،جس کے ایک اجلاس میں بیع التقسیط کے بارے میں چند قرار دادیں منظور ہوئیں ،جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ اگر مدیون قسطوں کے مقررہ وقت میں تاخیر کرے تو اس میں اضافی مال مدیون پر لازم کرنا جائز نہیں ،خواہ یہ شرط عقد سے پہلے ہو یا بعد میں کیونکہ یہ صریح ربا پر مشتمل ہے۔چناچہ مجمع الفقہ الاسلامی کی قرار دار نمبر:۵۳ (۲/۶) میں ہے:

اذا تـأخر المشترى المدين فى دفع الأقساط عن الموعد المحدد فلايجوز اِلزامه أى زيادة على الدين بشرط سابق أو بدون شرط لأن ذلک ربا محرم. (۲۷)

’’مدیون مشتری کو قسطوں کی ادائیگی میں اپنے مقررہ وقت سے تاخیر کرنے کی صورت میں دَین سے زائد مال کی ادائیگی کا پابند کرنا جائز نہیں ،خواہ یہ زیادتی مشروط ہو یا نہ ہو، کیونکہ یہ ربا ہے جو کہ شرعاً حرام ہے۔‘‘

اسی طرح اس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر چہ مدیون مماطل (Procrastinator) کے لیے دَین اور قسط دینے میں ٹال مٹول سے کام لینا ناجائز ہے ،لیکن اس کے باوجود دائن کے لیے شرعاً یہ جائز نہیں کہ وہ دَین میں تاخیر کی وجہ سے اس پر عوض (Consideration) دینے کی شرط لگادے، جیسا کہ مجمع الفقہ الاسلامی کی درج ذیل قرارداد میں یہ مذکور ہے:

یـحـرم عـلـى المدين المليئ أن يماطل فى أداء ماحل من الأقساط و مع ذلک لايجوز شرعاً اشتراط التعويض فى حا لة التأخر عن الأداء. (۲۸)

’’وسعت رکھنے والے مدیون کے لیے قسطوں کی ادائیگی میں اپنے وقت مقررہ سے تاخیر کرنا حرام ہے۔ تاہم اس کی تاخیر کرنے کے باوجود بھی اس پر زائد عوض کی شرط لگانا جائز نہیں۔‘‘

☆دوسری صورت: قسطوں میں تاخیر در تاخیر زیادتی کی شرط لگانا

دوسری صورت یہ ہے کہ جس میں متعاقدین (Contractors) کم اور زیادہ تاخیر کا اعتبار کرتے ہیں یعنی اگر کوئی تاخیر سے ادائیگی (Payment) کرتا ہے تو اس پر اضافی رقم تاخیر کے حساب سے لازم ہوتی ہے،مثلاً کسی نے یہ کہا کہ میں آپ کو دس لاکھ روپے میں گاڑی فروخت کرتا ہوں،لیکن اگر آپ نے قسط ادا کرنے میں ایک مہینہ تاخیر سے کام لیا تو مزید پانچ ہزار روپے دینا لازمی ہوں گے، اور اگر دو مہینے تاخیر کی تو پھر دس ہزار روپے دینا لازمی ہوں گے۔اب اس طرح شرط لگانے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

حکم

اس صورت میں بھی چونکہ معاملہ وہی دَین کا ہے۔اس لیے ایسی شرط لگانا ربا کی وجہ سے ناجائزاورحرام ہے۔چنانچہ ''الدکتور خالد بن المشقیح'' لکھتے ہیں:

اشتراط الزیادة عند التأخیر یقول: بعتک السیارة بعشرة آلاف ریال فإن تأخرت عن التسدید لمدة شهر زدتک مائة فإن تأخرت شهرین زدتک مائتین وهکذا، فهذا محرم و لایجوز لأن هذا هو ربا الجاهلیة .(۲۹)

''تاخیر کے وقت اضافی رقم دینے کی شرط لگانا جیسا کہ اگر کوئی یہ کہے کہ میں آپ کو دس ہزار ریال میں گاڑی فروخت کرتا ہوں،لیکن اگر آپ نے قسط ادا کرنے میں ایک مہینہ تاخیر سے کام لیا تو سو ریال دینا لازمی ہوں گے اوراگر دو مہینے تاخیر کی تو پھر دوسو ریال دینا لازمی ہوں گے،پس اس طرح کرنا ناجائزاور حرام ہے کیونکہ یہ بعینہ زمانہ جاہلیت ہی کا سود ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ شرط چونکہ ربا اور سود پر مشتمل ہونے کی وجہ سے فاسد ہے۔لہذا فاسد شرط جس عقد میں بھی پائی جائے تو اس کی وجہ سے وہ عقد بھی فاسد ہوتا ہے۔نیز بیع التقسیط میں تاخیر (Delay) کی وجہ سے اضافی مال کو لازمی قرار دینا خواہ کس طرح بھی ہو جائز نہیں۔

☆ تیسری صورت:قسطوں میں ''ضع وتعجل'' کی شرط لگانا

تیسری صورت ''ضع وتعجل'' شرط کی ہے۔''ضع وتعجل'' ایک فقہی اصطلاح (Idiom) ہے،جس کے معنی ہے کہ'' کچھ ساقط کرواورجلدی حاصل کرلو'' یعنی اگر کوئی قسطوں میں یا اس کے علاوہ دیگر دُیون مؤجلہ میں یہ شرط لگادے کہ مدیون اگر دَین جلدی ادا کردے تو اس کے مقابلے میں اس کے ذمے واجب الاداء رقم میں کچھ کمی کردی جائے گی۔مثلاً کوئی اپنے مدیون کے ساتھ یہ شرط لگادے کہ اگر آپ نے مقررہ قسطوں میں سے فی الحال اَسی (۸۰) فیصد ادا کردیا تو ان میں سے بقیہ بیس (۲۰) فیصد آپ کو معاف ہیں۔تو دُیون میں ایسی شرط لگانے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

حکم

''ضع وتعجل'' کی شرط چونکہ دُیون مؤجلہ میں لگائی گئی ہے۔اس لیے یہ جائز نہیں جیسا کہ اس کے بارے میں'' علامہ ابن قدامہ'' لکھتے ہیں:

إذاکان علیه دَین مؤجل فقال : لغریمه ضع عنی بعضه واعجل لک بقیته لم یجز (۳۰)

''جب کسی کا دوسرے کے ذمے کوئی دَین ہو تو وہ اپنے دائن (قرض خواہ) سے کہدے کہ مجھ سے کچھ کم کردو تو بقیہ جلدی ادا کروں گا،تو یہ جائز نہیں۔''

مذکورہ شرط کے جائزاورناجائز ہونے میں اگرچہ رائے مختلف ہے،لیکن اکثر فقہائے کرام (Islamic jursts) نے

حرمت کے قول کو راجح قرار دیا ہے، کیونکہ دُیون میں تاخیر کرنے کی وجہ سے اگر کچھ کم کر دیا جائے تو اس پر بھی سود کا حکم لگے گا۔ چنانچہ اس بارے میں ''مفتی تقی عثمانی صاحب'' مختلف روایات اور عبارات تحریر کر کے آخر میں لکھتے ہیں:

ورجّح جمهور الفقهاء جانب الحرمة ، لأن زيادة الدين فى مقابلة التأجيل رباصراح، فكذالک الحطّ من الدين بازاء التعجيل فى معناه . (٣١)

''اور فقہائے کرام نے حرمت کی جانب کو ترجیح دی ہے، کیونکہ تاخیر کے مقابلے میں دَین میں زیادتی کرنا صریح سود ہے تو اسی طرح دَین میں تعجیل کے مقابلے میں کچھ کمی کرنا بھی سود ہوگا۔''

اسی طرح ''الدکتور السالوس'' نے بھی مذکورہ شرط کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، مذاہب اربعہ اور جمہور علماء کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ انہوں نے بھی اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

اماالذين لم يجيز واضع وتعجل فهم عامة الصحابة والتابعين رضى الله عنهم ، والائمة الاربعة وجمهورالفقهاء (٣٢)

''جنہوں نے ''ضع وتعجل'' کو جائز قرار نہیں دیا وہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ، آئمہ اربعہ اور جمہور فقہاء ہیں۔''

اگر یہ شرط دُیونِ حالہ (Lone) میں لگ جائے تو یہ جائز ہوتی ہے کیونکہ دُیون حالہ اور مؤجلہ میں فرق ہے۔ وہ یہ کہ دُیون مؤجلہ (Credit) کے عوض میں مدت شرط ہوتی ہے، جبکہ دُیون حالہ میں مدت شرط نہیں ہوتی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تاخیر مدیون کا حق نہیں ہوتا، جب اس میں مدت شرط نہیں تو اس میں اگر کچھ معاف بھی کر دیا جائے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ مدت کے عوض چھوڑ دیا گیا ہے، کیونکہ اس میں مدت شروع سے منتفی ہے اور اس میں فقہائے کرام کا راجح قول یہی ہے کہ دُیون حالہ میں ''ضع وتعجل'' کی شرط (جلدی ادا کرنے کی شرط پر کم کر دینا) جائز ہے، کیونکہ اس میں سود کی خرابی نہیں پائی جاتی۔ البتہ دُیون مؤجلہ (قسطوں پر خرید و فروخت) میں ''ضع وتعجل'' کی شرط ناجائز ہے۔ نیز یہ بات بھی واضح رہے کہ جہاں پر علمائے کرام نے مذکورہ شرط کے بارے میں عدم جواز کا قول اختیار کیا ہے، وہاں پر انہوں نے اسے دُیون مؤجلہ کی قید کے ساتھ مقید بھی کیا ہے۔ (٣٣) اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر عقد میں باقاعدہ طور پر اس شرط کو ملحوظِ نظر رکھا جائے تو پھر مذاہبِ اربعہ میں جائز نہیں۔ چنانچہ اس بارے میں ''فقہ البیوع'' میں ہے:

ومما يتعامل به بعض التجار فى الدين المؤجلة انهم يسقطون حصة من الدين بشرط أن يعجل المديون باقيه قبل حلو ل الأجل ، مثل أن يكون لزيد على عمرو ألف ، فيقول زيد : عجل لى تسعمائة ، وأناأضع عنک مائة، وإن هذه المعاملة معروفة فى الفقه الاِسلامى'' باسم ضع وتعجل '' هذاالتعجيل اِن كان مشروطابالوضع من الدين فان المذاهب الأربعة متفقة على عدم جوازه . (٣٤)

''اورآجکل بعض تاجرحضرات کا دُیون موٴجلہ میں یہ رواج اور معمول جاری ہے کہ وہ اپنے دَین کا کچھ حصہ اس شرط پر چھوڑ دیتے ہیں کہ بقیہ دَین مدیون جلدی ادا کرے گا، مثال کے طور پر زید کا عمر پر ہزار روپے قرض ہے، زید عمرو سے کہتا ہے کہ میں تجھے سو روپے چھوڑ دیتا ہوں بشرطیکہ آپ مجھے نوسو روپے جلدی ادا کردو۔ یہ معاملہ فقہ اسلامی میں ''ضع وتعجل'' کے نام سے مشہور ہے۔ اب اگر یہ تعجیل دَین میں کچھ کم کرنے سے مشروط ہے پھراس کے عدم جواز پر مذاہب اربعہ متفق ہے۔''

مذکورہ مباحث سے معلوم ہوا کہ ''ضع وتعجل'' کی شرط لگانا راجح قول کے مطابق دُیون موٴجلہ میں بالاتفاق جائز نہیں کیونکہ یہ سود پر مشتمل ہے اور جو شرط سود پر مشتمل ہو، وہ فاسد ہوگی۔ اس لیے دُیون موٴجلہ میں جہاں پر بھی یہ شرط پائی جائے گی، شرط سمیت معاملہ بھی فاسد ہو جائے گا۔

شرطِ جزائی کے جائز متبادل

دَین میں تاخیر کرنے کی وجہ سے اضافی مال صدقہ (Charity) کرنے کی شرط لگانا

دَین میں ''شرطِ جزائی'' کا حکم بیان کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ کوئی ایسی شرط لگانا جو اضافی مال پر مشتمل ہو خواہ تاخیر کے مقابلے میں ہو یا ضرر حقیقی کے مقابلے میں ہو، سود ہونے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے۔ اب اگر کوئی سودی بینک (Conventional Bank) وغیرہ کوئی ادھار معاملہ کرتا ہے اور اس کا عمیل (کلائنٹ) اس دَین میں تاخیر اور ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے تو اس کی وجہ سے اس پر اضافی سود لاگو ہوتا ہے۔ اس لیے سودی بینک میں عام طور پر یہ ٹال مٹول کی پریشانی تقریباً نہیں پائی جاتی، اگر ہو بھی تو اس کا مذکورہ حل اس کے پاس موجود ہے، لیکن اگر غیر سودی بینک ادھار معاملہ اختیار کرلیتا ہے اور اس کا کلائنٹ اس میں ٹال مٹول کرتا ہے تو غیر سودی بینک اس پر تاخیر اور ٹال مٹول کی وجہ سے نہ اضافی رقم کا التزام (Undertaking) کرسکتا ہے اور نہ اس سے سود وصول کرسکتا ہے، کیونکہ مذکورہ تفصیل کے مطابق یہ شرط سود میں داخل ہے۔

اب اسلامی بینک کے لیے اس پریشانی کا ممکنہ حل کیا ہے؟ اس کے بارے میں بعض اہل علم حضرات نے یہ حل پیش کیے ہیں کہ تمام اسلامی بینکوں کو چاہئے کہ وہ آپس میں مل کے ٹال مٹول کرنے والے کو اپنی تمام تر سہولیات سے محروم کردیں، اور ان کا نام بلیک لسٹ میں شامل کردیا جائے اور تمام بینک ان سے معاملات ہی بند کردیں اور یہ طریقہ اختیار کرنا بظاہر دَین کی ادائیگی کے لیے وقتی طور پر بہت اچھا اور سود کی لعنت سے پاک اور بہتر طریقہ ہے، جو شرعاً بھی جائز ہے۔ اسی طرح اس کے علاوہ اگر کوئی تعزیری سزا بھی مقرر کردی جائے تو وہ بھی ادائیگی دَین کے لیے مدیون پر بہتر دباؤ ہے، لیکن یہ دونوں صورتیں بظاہر مشکل معلوم ہوتی ہیں۔ پہلی صورت اس لیے کہ اس پر تمام اسلامی بینکوں کا اتفاق کرنا ضروری ہے اور یہ اتفاق بظاہر مشکل ہے۔ دوسری صورت یعنی سزا اور تعزیر جاری کروانا تب ممکن ہے کہ عدالت میں فیصلے تیزی سے نمٹ جائیں، حالانکہ آجکل عدالتوں میں مقدمات کئی سالوں تک چلتے رہتے ہیں۔ اب یہ بات واضح ہوگئی کہ عملی طور پر مذکورہ دونوں طریقے اختیار کرنا فی الحال مشکل معلوم ہوتا ہے، کیونکہ تمام اسلامی ممالک میں یہ عملاً بھی ممکن نہیں۔ (۳۵)

اب وقتی اور عارضی طور پر اس مشکل کا حل اہل علم نے یہ پیش کیا ہے کہ مدیون (Debtor) کے ساتھ جب بینک معاملہ کرتا ہے اس وقت مدیون اپنے اوپر یہ التزام (Undertaking) کرے کہ وہ خیراتی فنڈ (Charity Fund) میں صدقہ دے گا یعنی وہ یہ کہے گا کہ اگر میں نے دَین کی بروقت ادائیگی نہ کی تو اتنی رقم بینک کے خیراتی فنڈ میں صدقہ کے طور پر دوں گا گویا اس کا یہ عمل ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی یوں کہے کہ اگر میں نے فلاں کام نہیں کیا تو میں اتنا صدقہ کروں گا۔ اگر چہ وہ مال بظاہر بینک کے کسی فنڈ میں جمع ہوگا، لیکن وہ حقیقت میں بینک کی ملکیت شمار نہیں ہوگا، بلکہ بینک اس بات کا پابند ہوتا ہے کہ وہ شرعی طور پر بطورِ وکیل یا نگران (Supervisor) اس رقم کو رفاہی کاموں میں صرف کرے گا، اور مدیون کا اس التزام میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کتنا نفع ونقصان ہوا ہے، بلکہ وہ مشروط صدقہ یعنی التزام کے طور پر اس کے علاوہ مقرر کیا جاتا ہے، جو کبھی اصل مال کے برابر یا اس سے زیادہ مقرر کر دیا جاتا ہے اور کبھی اس سے کم ہوتا ہے۔

اب شرعی نقطہ نظر سے اس طرح شرط لگانے کا کیا حکم ہے؟

حکم

اس شرط کے بارے میں علمائے معاصرین کے دو فریق ہیں۔ ایک فریق کے نزدیک جائز اور دوسرے کے نزدیک ناجائز ہے۔

فریق اول: مجوزین

اسلامی بینک کے ساتھ مرابحہ (Sale on Cost plus) وغیرہ کے معاملات طے کرنے کے معاہدہ میں کلائنٹ اپنے اوپر یہ التزام (Undertaking) کرتا ہے کہ اگر میں نے تاخیر کی تو میں اتنی رقم صدقہ کے طور پر خیراتی فنڈ میں جمع کروں گا یا بینک کلائنٹ سے یہ التزام کرائے کہ اگر اس نے بروقت ادائیگی نہ کی تو وہ تبرعاً خیراتی کاموں کے لیے مخصوص فنڈ میں (اتنی رقم خواہ وہ دَین کے تناسب سے ہو یا اس سے کم وزیادہ ہو) بطورِ صدقہ جمع کرے گا اور اس قسم کی رقم کو سود بھی نہیں کہا جائے گا، کیونکہ یہ رقم بینک کی ملکیت میں نہیں ہوتی، بلکہ بینک اس کو شرعی مصارف کے طور پر خیراتی کاموں میں صرف کرے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے لیے ایک خاص قسم کا فنڈ بنا دیا جائے، جو بینک کی ملکیت میں نہ ہو بلکہ یہ خیراتی کاموں کے لیے وقف ہو اور بینک محض اس فنڈ کی سرپرستی اور نگرانی کرے جس کے مقاصد میں سے یہ بھی ہونا چاہئے کہ اس سے ضرورت مند لوگوں کا تعاون کیا جائے یا حاجت مند لوگوں کو بطورِ قرضِ حسنہ دیا جائے گا۔ چنانچہ اس بارے میں ''مفتی محمد تقی عثمانی'' لکھتے ہیں:

> وفي الوقت نفسه لايعتبر هذا التبرع ربا، لأنه لايدخل في ملك المصرف شيئا، بل يصرف الى الجهات الخيرية، ويمكن أن ينشا لذالك صندوق خاص لايكون مملوكا للمصرف، بل يكون وقفاً على بعض المقاصد الخيرية يتولاه أصحاب المصرف، ويكون من مقاصده أن يقدم منه قروض حسنة لأصحاب الحاجة (٣٦)

''اوراس وقت (یعنی بحالتِ موجودہ) مدیون سے بطورِ تبرع لی جانے والی رقم کو سود نہیں کہا جائے گا،

کیونکہ وہ رقم بینک کی ملکیت نہیں ہوگی ، بلکہ اس کو خیراتی کاموں میں صرف کیا جائے گا اور یہ صورت بھی اختیار کی جاسکتی ہے کہ اس طرح کی رقم کے لیے خاص فنڈ قائم کر دیا جائے ، جو بینک کی ملکیت نہ ہو، بلکہ خیراتی کاموں کے لیے وقف ہو اور بینک اس فنڈ کی سرپرستی کرے اور اس فنڈ کے مقاصد میں سے یہ بھی ہونا چاہئے کہ اس سے ضرورت مند لوگوں کو بطور قرض حسنہ رقم دی جائے۔''

اس سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ اس قسم کی شرط لگانے کی گنجائش ہے۔ چنانچہ مذکورہ شرط کے بارے میں ۱۴۱۴ھ عمان میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی اور اس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ جو یہ شرط لگادے کہ اگر مدیون نے بغیر کسی عذرِ مقبول کے دَین کی ادائیگی میں تاخیر اور ٹال مٹول سے کام لیا تو وہ اتنی رقم فراہم کرے گا تاکہ وہ خیراتی فنڈ میں صرف کی جائے تو یہ شرط جائز ہے۔ چنانچہ قرارداد میں لکھتے ہیں:

یجوزأن یشترط علی المدین دفع مبلغ من المال لیصرف فی وجوہ البر ، اذاتأخر عن سدادالدین بدون عذر مقبول .(۳۷)

''مدیون کو (معاملہ کرتے وقت) اس بات کا پابند کرنا جائز ہے کہ اگر وہ بغیر کسی معقول عذر کے دَین کی ادائیگی میں تاخیر کرے گا تو اس کو اپنے مال کی ایک معین مقدار خیراتی کاموں میں خرچ کرنے کے لیے دینی ہوگی۔''

اسی طرح ''**المعاییر الشرعیة لھیئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالیة الاسلامیة**''، المعیار الشرعی رقم (۳) المدین المماطل میں ہے:

یجوزأن ینص فی عقودالمداینات مثل المرابحة علی التزام المدین عند المماطلة بالتصدق بملغ، أونسبة بشرط أن یصرف ذلک فی وجوہ البربالتنسیق ، مع ھیئة الرقابة الشرعیة للمؤسسة .(۳۸)

''مرابحہ کی طرح ادھار معاملات میں بھی جائز ہے کہ مدیون کو ٹال مٹول کرنے کی صورت میں اپنے مال کے کچھ معین حصہ یا دَین کے تناسب سے ایک معین مقدار کو صدقہ کرنے کا پابند کیا جائے اور وہ رقم خیراتی کاموں میں ادارے کے شرعی نگران بورڈ کے ضابطہ کے مطابق خرچ ہوگی۔''

مجوزین کے دلائل

جن حضرات نے بینک کے معاملات طے کرنے میں مذکورہ شرط کے جواز کی گنجائش دی ہے۔ ان کے دلائل ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

☆ پہلی دلیل

معاملات اور شروط میں اصل اباحت ہے، بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی دلیل موجود نہ ہو، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

یَآیّھاالذِینَ آمَنُوا أوفُو ا بالعُقُود (۳۹)

''اے ایمان والو! معاہدوں کو پورا کرو۔''

☆دوسری دلیل

اسی طرح حدیث شریف میں آیا ہے:

''والمسلمون علی شروطھم الا شرطا حرم حلالا أو حل حراما .'' قال: أبو عیسیٰ هذاحدیث حسن صحیح (۴۰)

''اور (اسی طرح) مسلمان اپنی شرائط کے پابند رہیں گے، مگر ایسی شرط (کی پابندی جائز نہیں) جو کسی حلال چیز کو حرام کردے یا کسی حرام کو حلال کردے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ شرط میں نصوص اور شرعی قواعد کے خلاف کوئی بات نہیں پائی جاتی، بلکہ اس شرط سے بعض مقاصدِ شرعیہ کے حصول کی تائید ہوتی ہے، مثلاً کسی ظالم کے ظلم کو ختم کرنے اور زیادتی کرنے والوں کی زیادتی سے لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرنے پر یہ شرط مشتمل ہے۔ اس لئے اس شرط کی پاسداری ضروری ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹال مٹول کرنے والوں کے لئے سزا، زجر اور توبیخ کو جائز قرار دیا ہے جس کی سزا یہ ہے کہ اس پر ٹال مٹول کرنے کی وجہ سے جرمانہ (Penalty) لازم کردیا جائے۔ البتہ یہ بھی ممکن ہو کہ اس پر شرعی خرابی کے بغیر کوئی جرمانہ عائد ہوتا ہو (اگر شرعی خرابی موجود ہو پھر یہ التزام درست نہیں) تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (۴۱)

مانعین کے دلائل

☆پہلی دلیل

مانعین کی پہلی دلیل یہ ہے کہ یہ شرط چونکہ مدیون کی طرف سے ایسی زیادتی پر مشتمل ہے، جو دائن کے علاوہ کسی اور کو دی جاتی ہے، لیکن مدیون کی نسبت سے اس میں زیادتی پائی جاتی ہے، جو سود ہے۔ اس لئے یہ شرط لگانا درست نہیں۔

☆دوسری دلیل

یہ شرط مالی سزا اور جرمانہ پر مشتمل ہے، حالانکہ مالی جرمانہ کے الزام والتزام میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ لہذا یہ شرط بھی درست نہیں۔

☆تیسری دلیل

اس شرط کے التزام میں مالدار اور غریب کو کوئی فرق نہیں ہے، حالانکہ غریب کے لئے انتظار تو نص قرآنی سے واجب ہے۔ (۴۲)

مانعین کے دلائل کے جوابات

☆ پہلی دلیل کا جواب

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ سود میں مؤثر علت وہ زیادتی ہوتی ہے جو فریقین میں سے کسی ایک کے لیے ہو۔ لہذا مذکورہ صورت میں وہ زیادتی فریقین کے علاوہ یعنی خیراتی فنڈ کے لیے ہے۔ اس لیے اس کو وہ زیادتی قرار نہیں دیا جاسکتا جو سود کے لیے علت ہے، کیونکہ اس میں دائن کی نسبت سے زیادتی کے معنی نہیں پایا گیا، بلکہ نقصان کے معنی موجود ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہاں پر مؤثر علت کی عدمِ موجودگی کی وجہ سے سود نہیں پایا جاتا۔

☆ دوسری دلیل کا جواب

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس التزام (Undertaking) کی حقیقت وعدہ کی ہے اور وعدہ دیانۃً بالاتفاق لازم ہے، اور قضاءً لازم ہونے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے لیکن موجودہ دور میں ایفائے عہد کی عدمِ پاسداری اور دیانت داری کے فقدان کو دیکھ کر ضرورت کی بنیاد پر اُن علماء کے قول پر عمل کرنا درست ہے، جن کے نزدیک وعدہ کو پورا کرنا قضاءً بھی لازم ہوتا ہے۔ چنانچہ ''علامہ شامی'' اس کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اذالمواعید قد تکون لازمة فیجعل لازما لحاجة الناس"(۴۳)

''وعدے کبھی کبھار لازم ہوتے ہیں پس لوگوں کی حجت کے لیے لازم قرار دیا جائے گا۔''

☆ تیسری دلیل کا جواب

شرعی قاعدہ کا تقاضہ یہ ہے کہ حلت اور حرمت کا حکم ہر چیز کی اصلی حالت اور حقیقت پر لگتا ہے۔ لہٰذا مدیون اس وقت معاملہ اختیار کرتا ہے جب وہ مالدار ہوتا ہے، کیونکہ دین کسی چیز کے عوض میں ثابت ہوتا ہے۔ پس مدیون کی غربت معلوم کرنا اس کی طرف سپرد کردی جائے گی، اگر وہ غریب ہے پھر تو اس وقت اس کا حکم وہی ہے جو قرآن کریم نے فیصلہ فرمایا ہے، جیسا کہ ماقبل میں بیان ہو چکا ہے، ورنہ حکم اصل حالت کی طرف راجع ہوگا۔ جیسا کہ ''المغنی'' میں ہے:

"من وجب علیه دین حال فطولب به ولم یؤد ہ نظر الحاکم ...فان عرف له مال لکون الدین ثبت عن المعاوضة کالقرض والبیع أو عرف له أصل مال سوی هذا فالقول قول غریمه مع یمینه ."(۴۴)

''جس شخص پر دین کی ادائیگی فی الحال ضروری ہو اور وہ مطالبہ کے باوجود اس کو ادا نہ کرے، تو حاکم اس کو مہلت دے گا۔ پس اگر مدیون کا مال معروف ہو جیسا کہ قرض اور بیع میں دین، عوض مقرر کرنے سے ثابت ہو جاتا ہے، (یعنی قرض لینا یا خریداری بذاتِ خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس شخص کے پاس مال ہے) یا اس صورت کے علاوہ فی نفسہٖ اس کا مال معروف ہو، تو اس صورت میں قرض خواہ کا قول یمین کے ساتھ معتبر ہوگا۔''

راجح قول

احقر کے نزیک پہلاقول راجح معلوم ہوتا ہے۔پہلی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کے دلائل مضبوط ہیں۔دوسری وجہ یہ ہے کہ اس شرط یعنی التزام میں سوداور ربا کاتحقق نہیں ہوتا کیونکہ اس میں صدقہ کےطور پراضافی مال ادا کرنا، دائن (بینک وغیرہ) کی ملکیت میں نہیں ہوتا بلکہ کسی فلاحی اور خیراتی فنڈ میں جمع ہوکر اسے عام لوگوں کے مصالح اور رفاہی کاموں میں خرچ کیا جاتا ہے۔جیسا کہ "مفتی محمد تقی عثمانی صاحب" لکھتے ہیں:

"وفی الوقت نفسه لایعتبر هذاالتبرع ربا، لانه لایدخل فی ملک المصرف شیئا ، بل یصرف الی الجهات الخیریة ."(۴۵)

"اوراس وقت (یعنی بحالاتِ موجودہ) مدیون سے بطورِتبرع لی جانے والی رقم کوسودنہیں کہا جائے گا۔"

خلاصہ یہ ہوا کہ مذکورہ"شرط"یعنی التزام (Undertaking) چونکہ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔اس لیے اس شرط کے جواز کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

خلاصۂ بحث

زیرِنظر مقالے میں" شرطِ جزائی" کا تعارف اہمیت اور تاریخی پس منظر بیان کیا گیا ہے۔معاملات کے اندر مدیون (Debtor) کی ٹال مٹول کے سدِباب کے لیے"شرطِ جزائی" لگائی جاتی ہے۔چنانچہ متعاقدین معاملہ کرتے وقت یہ شرط لگا لیتے ہیں کہ دَین ادا کرنے میں تاخیر یا ٹال مٹول کی صورت میں مدیون جرمانے کےطور پراضافی رقم یا اس کا عوض فراہم کرے گا۔تاریخی اعتبار سے"شرطِ جزائی" کی اصطلاح قدیم فقہاء کے نزدیک موجودنہیں تھی، بلکہ اسے جدید قوانین سے اخذ کیا گیا ہے۔اس تحقیق میں مزید درج ذیل نکات سامنے آئے ہیں۔

معاملات میں اس کا اہتمام اُس وقت کیا جاتا ہے جب ٹال مٹول کرنے والا مدیون مالدار ہو۔البتہ اگر مدیون مجبور اور غریب ہوتو اس پرکسی بھی صورت میں تاخیر کرنے پرنہ مالی جرمانہ آئے گا اور نہ اس سے کسی مالی عوض کا مطالبہ کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"اوراگر کوئی تنگدست (قرض دار) ہوتو اس کا ہاتھ کھلنے تک مہلت دینی ہے۔"(۴۶)

شرطِ جزائی میں بنیادی طور پر یہ باتیں قابل توجہ ہیں:

...... شرط جزائی سے مراد وہ ہے جو دَین میں تاخیر یا ٹال مٹول کرنے کی وجہ سے مدیون پر اضافی رقم ادا کرنے کی شرط لگادی جائے، اور یہ بالاتفاق سوداور ربا پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے۔

...... اسی طرح اس شرط کا جائزہ بھی لیا گیا ہے جو بعض اہل علم نے ادھار معاملات میں ٹال مٹول کی پریشانی کے سدباب کے لیے بطورِحل اس کے جواز کی گنجائش دی ہے، مثلاً عصر حاضر میں اسلامی بینک اس ٹال مٹول کی پریشانی سے بچنے کے لیے ادھار معاملات (مرابحہ وغیرہ) کے ایگریمنٹ میں اس شق کا اضافہ کرتے ہیں کہ مدیون معاملہ کرتے وقت اپنے اوپر خیراتی فنڈ میں

صدقہ (Charity) دینے کا التزام (Undertaking) کرے گا۔

...... اس کے علاوہ عصر حاضر میں ادھار معاملات میں ''شرطِ جزائی'' کی چند تطبیقات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے، جن میں دلائل کے ساتھ یہ موقف اختیار کیا گیا ہے کہ چونکہ یہ شرائط بھی صریح سود اور ربا پر مشتمل ہیں۔ اس لیے یہ فاسد اور ناجائز ہیں۔ جس معاملے میں ''شرطِ جزائی'' پائی جائے اسے بھی فاسد بنا دیتی ہے۔

مصادر ومراجع

۱۔ ابن منظور، محمد بن مکرم بن منظور الأفریقی المصری: (المتوفی عام ۷۱۱ھ) لسان العرب، باب الشین، الناشر: دار صادر، بیروت، الطبعۃ الاولی، ج۷، ص۹۲۳

۲۔ بدران، عبدالقادر بن أحمد بن مصطفیٰ بن عبدالرحیم بن محمد، علامہ: (لتوفی:۱۳۴۶ھ)، المدخل الی مذھب الامام أحمد بن حنبل، تحقیق: محمد امین ضناوی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ: ۱۴۱۷ھ، ۱۹۹۶م، ج۱، ص۴۷

۳۔ ابن منظور، جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور الأفریقی المصری (المتوفی عام ۷۱۱ھ) لسان العرب، مادۃ: جزی، الناشر: دار صادر، بیروت، الطبعۃ الأولیٰ، ج۱۴، ص۱۴۵

۴۔ ابن فارس، أبوالحسین أحمد بن فارس بن زکریا، معجم مقاییس اللغۃ، باب: جزی، المحقق: عبدالسلام محمد ھارون، الناشر: دار الفکر، البعۃ، ۱۳۹۹ھ، ۱۹۷۹م، ج۱، ص۴۵۵

۵۔ الزحیلی، محمد، الدکتور، موسوعۃ قضایا اسلامیۃ معاصرۃ، دمشق، دار المکتبی، الطبعۃ الأولیٰ: ۲۰۰۹ء: ۱۴۳۰ھ، جلد۵، ص۱۹۲

۶۔ الضریر محمد الأمین الصدیق، الدکتور، الشرط الجزائی: بحث مقدم لمجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی التابع لمنظمۃ المؤتمر الاسلامی بجدۃ، العدد الثانی عشر، (۱۲۔۴۹۱) ۱۴۲۱ھ

۷۔ السنھوری، عبدالرزاق احمد، الدکتور، الوسیط فی شرح القانون المدنی، دار أحیاء التراث العربی، بیروت لبنان، ج۲، ص۸۵۱

۸۔ شعبان، زکی الدین، الدکتور، نظریۃ الشروط المقترنۃ بالعقد، دار النھضۃ العربیۃ، القاھرۃ، مصر، الطبعۃ الأولیٰ: ۱۹۶۸، ص۱۶۱

۹۔ Ahsan Sohail Anjum, A commentary of the contract Act 1872 section 74,Pakistan,Mansoor Books House Katchery Road Lahore

۱۰۔ حوالہ بالا، الضریر، محمد الأمین الصدیق، ایضاً مجمع الفقہ اسلامی، العدد الثانی عشر، ۱۲۔۵۰۵۔۱۴۲۱ھ

۱۱۔ الرویشد، عبدالمحسن سعد، الدکتور، الشرط الجزائی فی الفقہ الاسلامی، رسالہ دکتوراہ، کلیۃ الحقوق، جامعۃ القاھرۃ، الطبعۃ: ۱۹۸۳ء: ۱۴۰۴ھ، ص۵۲

۱۲۔ محمد بن عبدالعزیز بن سعد الیمنی، الشرط الجزائی واثرہ فی العقود المعاصرۃ، رسالہ الدکتوراہ، جامعۃ الملک سعود، ۱۴۲۵ھ: ۱۴۲۶ھ، ص۶۵

۱۳۔ عثمانی، محمد تقی، مفتی، بہامش فقہ البیوع علی المذاھب الأربعۃ مع تطبیقاتہ معاصرۃ مقارنا بالقوانین الوضعیۃ، کراچی، مکتبہ معارف القرآن کراتشی، باکستان، الطبعۃ الاولی: ۱۴۳۶ھ: ۲۰۱۵ء، ج۱، ص۶۱۰

۱۴۔ لانتوقع وجود نص فی القرآن أوالسنۃ أوقول الصحابی أوفقیہ من المتقدمین فی حکم الشرط الجزائی الذی بینا حقیقتہ فی القانون علی الوجہ السابق، ولکن ھل یوجد شبیہ للشرط الجزائی فیہ نص، یمکن أن یقاس علیہ الشرط الجزائی؟ حوالہ بالا: الضریر، محمد الأمین الصدیق، ایضا: مجمع الفقہ الاسلامی، العدد الثانی عشر (۱۲۔۴۹۶۔۱۴۲۱ھ)

۱۵۔ البخاری، محمد بن اسماعیل أبوعبداللہ الجعفیؒ، الجامع المسند الصحیح المختصر من أمور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وأیامہ۔ صحیح البخاری، باب مایجوز من الاشتراط و

الثنیا فی الاقرار والشروط،المحقق: محمد زہیر بن ناصر الناصر،الناشر: دار طوق النجاة الطبعة: الأولى: ۱۴۲۲ھ، ج۳،ص۱۹۸

۱۶۔الزرقاء،مصطفی احمد،المدخل الفقہی العام،دار القلم،دمشق،الطبعة الأولى: ۱۴۱۸ھ۱۹۹۸ء، ج۱،ص۵۶۶

۱۷۔حوالہ بالا: الضریر، محمد الأمین الصدیق،ایضاً: مجمع الفقہ الاسلامی،العدد الثانی عشر،۱۴۲۱ھ،ص۱۲۔۴۹۸

۱۸۔البقرة:۲۔۲۸۰

۱۹۔الحطاب، شمس الدین، أبوعبداللہ محمد بن محمد بن عبدالرحمن الطرابلسی المغربی، المعروف بالحطاب الرُّعینی المالکی (المتوفی:۹۵۴ھ) تحریر الکلام فی مسائل الالتزام، المحقق: عبدالسلام محمد الشریف، الناشر: دار الغرب الاسلامی، بیروت، لبنان، الطبعة: الأولى، ۱۴۰۴ھ:۱۹۸۴م، ج۱،ص۱۷۶

۲۰۔ابن عبدالبر، أبوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم النمری القرطبی (المتوفی:۴۶۳ھ) الکافی فی فقہ أهل المدینة المالکی، المحقق: محمد أحید ولد مادیک الموریتانی، الناشر: مکتبة الریاض الحدیثة، الریاض، المملکة العربیة السعودیة، الطبعة: الثانیة، ۱۴۰۰ھ:۱۹۸۰ء، ج۲،ص۶۳۳

۲۱۔النووی، روضة الطالبین، وعمدة المفتین، الناشر، المکتب الاسلامی، الطبعة: ۱۴۰۵ھ، بیروت، ج۴،ص۳۴

۲۲۔الکاسانی، علاء الدین، أبوبکر بن مسعود بن أحمد الکاسانی الحنفی، علامہ: (المتوفی: ۵۸۷ھ)، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، فصل: وأما الشرائط فأنواع: الناشر، دار الکتاب العربی، الطبعة: ۱۴۰۲ھ:۱۹۸۲م، ج۷،ص۳۹۵

۲۳۔ابن مفلح، ابراهیم بن محمد بن عبداللہ بن محمد، أبواسحاق، برهان الدین (المتوفی:۸۸۴ھ) المبدع شرح المقنع، الناشر: دار عالم الکتب، الریاض، الطبعة، ۱۴۲۳ھ:۲۰۰۳م، ج۴،ص۹۷

۲۴۔الدکتور علی محمد الحسین الصوا، الشرط الجزائی فی الدیون دراسة فقہیة مقارنة، غیر مطبوع، Pdf، ص۲۴

۲۵۔مجلس مجمع الفقہ الاسلامی، لرابطة العالم الاسلامی مکة، الدورة الحادیة عشرة: القرار الثامن: (۱۱۔۸) المنعقد بمکة المکرّمة، فی الفترة من یوم الأحد ۱۳ رجب ۱۴۰۹ھ الموافق ۱۹ فبرایر ۱۹۸۹م) مجلة الفقہ الاسلامی، ج۱۰،ص۳۱۴

۲۶۔الدبیان، أبوعمر بن محمد، المعاملات المالیة اصالة ومعاصرة، تقدیم مجموعة من المشایخ، الدکتور عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی، الشیخ: الدکتور صالح بن عبداللہ بن حمید، الشیخ: محمد بن ناصر العبودی، الشیخ: صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ، الناشر مکتبة الملک فهد الوطنیة، الریاض، المملکة العربیة السعودیة، الطبعة الثانیة: ۱۴۳۲ھ، ج۵،ص۵۰۳

۲۷۔مجلس مجمع الفقہ الاسلامی المنعقد فی دورة مؤتمرة السادس بجدة فی المملکة العربیة السعودیة، مجلة مجمع الفقہ الاسلامی، قرارداد نمبر: ۵۳(۶۔۲) من ۱۷ الی ۲۳ شعبان ۱۴۱۰ھ، الموافق ۱۴۲۰ آذار (مارس) ۱۹۹۰م، ج۶،ص۳۲۱

۲۸۔مجلس مجمع الفقہ الاسلامی المنعقد فی دورة مؤتمرة السادس بجدة فی المملکة العربیة السعودیة، مجلة مجمع الفقہ الاسلامی، قرارداد نمبر: ۵۳(۶۔۲) من ۱۷ الی ۲۳ شعبان ۱۴۱۰ھ، الموافق ۱۴۲۰ آذار (مارس) ۱۹۹۰م، ج۶،ص۳۲۱

۲۹۔المشیقح، الشیخ خالد بن علی، الدکتور، المعاملات المالیة المعاصرة للمشیقح من دروس الدورة العملیة بمسجد الراجحی، بمدینة بریدة عام ۱۴۲۴ھ،ص۱۸

۳۰۔ابن قدامة، عبداللہ بن أحمد بن قدامہ المقدسی أبومحمد، علامہ، المغنی فی فقہ الامام أحمد بن حنبل الشیبانی، الناشر: دار الفکر، بیروت، الطبعة الأولى: ۱۴۰۵ھ، ج۴،ص۱۸۹

۳۱۔عثمانی، محمد تقی، مفتی، بحوث قضایا فقہیہ معاصرة، دار القلم، دمشق، الطبعة ۱۴۳۴ھ:۲۰۱۳ء، ج۱،ص۲۶

۳۲۔السالوس، علی أحمد، الاقتصاد الاسلامی والقضایا فقہیہ معاصرة، دار الثقافة، الدوحة، قطر، الطبعة: ۱۴۱۸ھ:۱۹۹۸ء، ج۲،ص۵۶۹

۳۳۔حوالہ بالا: عثمانی: أیضاً: بحوث قضایا فقہیہ معاصرة، ج۱،ص۳۰

۳۴۔عثمانی، محمد تقی، مفتی، فقہ البیوع علی المذاهب الأربعة مع تطبیقاتہ معاصرة مقارنا بالقوانین الوضعیة، کراچی، مکتبہ معارف القرآن کراتشی، باکستان، الطبعة، ۱۴۳۶ھ:۲۰۱۵ء، ج۱،ص۵۳۶

۳۵۔حوالہ بالا: عثمانی: ایضاً: بحوث قضایافقہیہ معاصرة: ، ج۱ص۴۴

۳۶۔حوالہ لا: عثمانی: ایضاً: بحوث قضایافقہیہ معاصرة: ، ج۱ص۴۴

۳۷۔عبدالکریم محمود احمد ارشید، الشامل فی معاملات وعملیات المصارف الاسلامیہ، الطبعة الأولیٰ، ۱۴۲۱ھ، ۲۰۰۱ء، ص۳۸۲

۳۸۔المعاییر الشرعیة لہیئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالیة الاسلامیة، المعیار الشرعی رقم (۳) المدین المماطل: ۱۴۳۰ھ،: ۲۰۰۹ء (۲۔۱) ص۲۶

۳۹۔المائدة: ۶۔۱

۴۰۔ابوعیسیٰ، محمد بن عیسیٰ الترمذی السلمی، الجامع الصحیح سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۳۵۲، تحقیق: أحمد محمد شاکر وآخرون، الناشر: دار أحیاء التراث العربی، بیروت، ج۳، ص۶۳۴

۴۱۔الدکتور یوسف بن عبداللہ الشبیلی، الخدمات المصرفیہ لاستثمار أموال العملاء وأحکامہا فی الفقہ الاسلامی، الطبعة: ۱۴۲۳ھ: ۲۰۰۲ء، ج۱ص۶۶۰

۴۲۔حوالہ بالا: الدکتور یوسف بن عبداللہ الشبیلی، ایضا: الخدمات المصرفیہ لاستثمار، ج۱، ص۶۶۰

۴۳۔ابن عابدین، محمد أمین (المتوفی: ۱۲۵۲ھ) حاشیة رد المحتار علی الدر المختار شرح تنویر الأبصار فقہ أبوحنیفة، الناشر: دار الفکر، بیروت: ۱۴۲۱ھ: ۲۰۰۰م، ج۵، ص۸۴

۴۴۔ابن قدامة، عبداللہ بن أحمد بن قدامہ المقدسی أبومحمد، علامہ، المغنی فی فقہ الامام أحمد بن حنبل الشیبانی، الناشر: دار الفکر، بیروت، الطبعة الأولیٰ، ۱۴۰۵ھ) بحوالہ الدکتور یوسف بن عبداللہ الشبیلی، الخدمات المصرفیہ لاستثمار أموال العملاء وأحکامہا فی الفقہ الاسلامی، ج۱ص۶۶۰، ۶۶۱، الطبعة، ۱۴۲۳ھ، ۲۰۰۲ء، ج۴، ص۵۴۴

۴۵۔حوالہ بالا: عثمانی: ایضاً: بحوث قضایافقہیہ معاصرة: ، ج۱ص۴۴

۴۶۔البقرہ: ۲۔۲۸۰